

مقدرت کی حیثیت سے اس کی پرورش کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کا تو ایک حصہ اس میں صرف نہیں ہوتا تھا اور حتی المقدور خود بھی صرف کرنے کو موجود تھے اور جعفری اس کو اپنے باپ کے مال کا ضایع ہونا خیال کر لی تھی اور دل کی بھی تنگ تھی اس کی ناگواری بھی کچھ بجا بنتی۔

چلتے کے جاڑے ہیں، جیلوں سے باہر آتے ہیں، دوپہر دین  
چڑھتے تک سحاف سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔ انگیٹھیاں گلے میں پڑ جائیں تو چین  
آئے، یونہ بھر کا دین ہوتا ہے ابھی صحیح ہونی، ابھی نوزج گئے۔ کھانا کھاتے کھاتے  
دوپہر ہو گئی۔ دوپہر دھلی کسی قدر سردی کم ہوئی تھی کہ تین بجے بعد سے پھر دی  
جاڑا۔ اختری اور جعفری کا دہی عالم ہے مگر ایک طرف تو جعفری سُنا تے سناتے  
تھاں گئی اُدھرا ختری کو لعنے سُننے کی عادت سی ہو گئی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ دلوں  
میں بھٹکے گئی مگر تو پہ کچھے دوستی ہو یا دشمنی جب تک اصلی اساب معدوم نہیں  
ہوتے ان کا بانی رہنا ضروری ہے، اختری پر خورشید مرزا کی توجہ خرچ کی زیادتی  
یہ اساب ہتھ، خورشید مرزا نے جو عہد اختری کی ماں سے کئے تھے ان کو بیٹی  
کی خاطر سے کیوں کہ بھول جاتے۔ کوئی دجھ نہ تھی کہ اختری کے حال پر التفات  
نہ کیا جاتا بلکہ کچھہ ایسے سامنے درپیش ہوئے جس سے السفات نے زیادہ ترقی  
کی اختری کو اس کی مقدرت کی نسبت سے کم سی مگر اس کی خوشی کے لئے خرچ  
کا دیبا ضروری تھا مگر خیرت تھی کہ اختری کو جو کچھہ دیا جاتا تھا وہ جعفری سے بلکہ  
سب سے چھپا کے دیا جاتا تھا۔ اختری کی زبان چٹوری نہ تھی، کپڑے کا بھی اس کو  
شوچ نہ تھا نہ شان و شوکت دکھانے کا حوصلہ تھا۔ اس کو چھپا کے نیکی کرنے کا  
دلی شوق تھا۔ کسی کو نیکا بھوکا نہیں دیکھ سکتی تھی مگر کھلم کھلا دینے کی الگ اس کو

اجازت ہوئی تا اُس کی دالدہ کی مصالحت کے خلاف نہ ہوتا تو گھر کے ذکر دن کو دہ اتنا دیتی کہ سب اسی کا کلمہ بھرتے۔ جعفری کا کام چھوڑ کے اُس کا کام کرتے تھے یہ اس کو منظور نہ تھا۔

جعفری کو ملانے کی اُس نے از حد کوشش کی دہ کہتی تھی کہ جعفری سے میں کئے بغیر وہ اس گھر میں خوش ہنس رہ سکتی، دریا میں رہنا اور مگر مجھے سے بیرون جعفری کے دل میں خناس لگا، تو اپنا نہ بکلا پر نہ بکلا۔ اسی کوشش کے سلسلہ میں ایک مرتبہ جعفری اپنی ایک رشته کی پھولی کے گھر مہمان جانے والی تھی۔ اختری نے مت ہے کہا با جی اچھی بای جی مجھے کو بھی یعنی چلو بارے جعفری بھی کچھ بیکی کے دم منہ راضی ہو گئی۔

دو ڈن لڑکیوں نے نہ کئے کپڑے بلے، جعفری کا لباس پھولام اٹلس کا پاجا کریں کا دو پٹہ بھاری کرنی، جامہ وار کا شلوک بیلدار، اختری کا لباس سادہ تھا سفید ریشمی نین سکھ کا پا جامہ بہت ہلکا زنگا ہوا، جنگلی باڑی کا دو پٹہ سادی کرنی، جعفری گہنا بھی بھاری پہنے تھی جرداڑ پتے بالیاں، کاؤن میں ہاتھوں میں موئے بولے سوئے کے کرڑے پاؤں میں پازیب چھاگل، گلے میں سوئے کی ہیکل گلے نسوان کا طوق۔ اختری کے ہاتھوں میں کچھ نہ تھا۔ صرف کاؤن میں زمرد کے آدمیزے پڑے تھے۔ ناداری نے یہ خیال کر کے اختری کے پاس گہنا ہنس ہے اپنا گہنا پہنا کے بھیجا چاہا۔ پیچھے پڑکی مگر اختری نے کسی طرح منظور نہ کیا اختری فتن نہ تھی نہ بے سمجھے بوجھے بات پر اڑ جانے کی خوب تھی لیکن قول کی پوری تھی جو ایک مرتبہ مدین پس بھجہ کے کہدیا گو یا پھر کی لکیر تھی، اس کو مزاج کا استقلال کہتے ہیں۔ اس کی اس خصلت سے چذر درز رہنے کے بعد سب کو اطلاع ہو گئی تھی، اس نے سب اُس کو اس کی خوشی پر چھوڑ دیتے تھے۔

دونوں بہنوں کو خیال تھا کہ اختری کے پاس گہنا نہیں ہے، اگر کہیں اُس کے زیور کا سند و فتحہ جو مفقل پڑا تھا اور برسوں اُس کے قفل کھونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ دیکھ لیتے تو پھر گہنے کا نام نہ لیتے، وہ کون ساز یور تھا جو دوسرے دو ہر اتھر اتھر اُس کے پاس نہ تھا۔ ہر عدد قسمی جڑاؤ، اُس کے زیور کا تینیستہ پچاس ہزار سے کم نہ تھا۔ اسوقت جعفری اُس کو عزیب سمجھے ہوئے تھی، اُسکو یہ بھی خبر نہ تھی کہ اُس کے صرف بندے جعفری اور نادری دونوں کے پورے زیوروں سے زیادہ قدمی تھی۔ خیر اسوقت تو جعفری کو اپنے گہنے اور لباس پر فخر تھا۔ لیکن ایک تو وہ قدرتی حسین تھی، دوسرے نیکی نے ایسا نہ اُس کے چہرے کو بخشنا تھا کہ جعفری اپنے مقابلہ میں اپنے آپ کو حقیر سمجھہ رہی تھی۔ اُس کے اس سادہ پن میں دہشان تھی کہ جو اُس کو ایک نظر دیکھتا سمجھہ لیتا کہ کونی، امیرزادی ہے۔ اُس کی رفتار گفتار میں کہیں چھوڑ رے پن کا شائبہ نہ تھا۔ یہ تھا کہ ملکت اور عز و ربوہ اصلًا نہیں یا یا جاتا تھا۔ غصب کا بھولا پن تھا۔ مگر وہ بھولا پن نہیں جسکو حماقت کہتے ہیں بلکہ دنیا کے مکفریوں سے پے خبر ہونا ہوشیاری چالا کی اُس سے دُور تھی لیکن نیکی کے ساتھ جو ذہانت ممتاز اور اقبال مندرجی کے اثر ہوتے ہیں وہ اُس کے ہر انداز سے پیدا ہتھے۔ وہ حکومت کرنے کو پیدا ہوئی ہے کسی کی محاکوم نہیں تھی اُس کے آگے لوگ ہاتھ پھیلاتے رہیں گے اُس کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے کی ضرورت نہ ہوگی۔

قریب شام دونوں لڑکیاں سعادت گنج میں مرزاںی بیگم جعفری کی پھوپھی کے مکان میں پہنچیں، اختری کو مرزاںی بیگم نے دیکھا نہ تھا لیکن اُس کے خود شدید مرزا کی لے پالک ہونے کا حال ان کو معلوم ہو گیا تھا۔ مرزاںی بیگم نے دونوں لڑکیوں کو گلے لگایا مختصر حالات دریافت کئے۔

مرزاں بیگم کے دو بچے ایک لڑکا کوئی سات برس کا دوسرا لڑکی ۵ برس کی، یہ دونوں بچے بہت پیارے تھے جب یہ دونوں سواریاں آئیں وہ دونوں بھی قریب آگئے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی اور کے بھی آنے کی ان کو توقع تھی۔ بہت یہ تھی کہ جعفری توہینہ کی اکٹھری تھی اور سب سے اُسرا کا یہی انداز تھا ایک نادری کے مزاج کا حال ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ بڑی ملنسار عموماً ہر بچے سے خصوصاً ان دونوں بچوں سے اس کو خاص محبت تھی کبھی خاص ان کی حاضر سے پھوپھی کے مکان پر آتی اور دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لے جاتی، کئی کئی دن تک ساتھ رکھتی، ہر چند جعفری بیگم کے خلاف ہوتا مگر وہ طال جاتی، اب بہت دن سے نادرتی کا آنا نہیں ہوا تھا۔ جب سے اختری آئی تھی اور جعفری کی بے روختی اختری کی طرف سے دیکھتی تھی اور کوئی اختری کے مال کا بہت خیال تھا۔ ہر وقت اُسی کے ساتھ رہتی تھی اور اس کا دل بہلانی رہتی تھی۔ جعفری بیگم کبھی پھوپی کے پاس نہ جاتی تھیں مگر مرزاں بیگم نے جعفری سے پچھا رہ پسیہ قرض لیا تھا خاص اُس کے تقاضے کے لئے کئی تھی۔ اختری کو اس کا ماں معلوم نہ تھا۔ جعفری نے رات کو تو کچھ نہ کہا دوسرا دن صبح کو روپیوں تقاضہ کیا اور اس طرح کہ اختری پر کبھی یہ حال کھل گیا۔ مرزاں بیگم بخاری کے پاس روپیہ نہ تھا حیلہ حوالہ کرنے لگیں۔ دونوں بچوں کو اس جھگڑے کی تو خبر نہ تھی، نادرتی کو بار بار روپیہ تھے۔

لڑکا۔ چھوپی باجی نہیں ایس۔

لڑکی۔ اب وہ کہاں آتی ہیں۔ برسوں ہو گئے (اس چھوپی لڑکی کا برسوں چھوپی نے زیادہ نہ تھا)۔

اختری نے اپنی ہر دلعزیزی یہاں بھی ظاہر کر دی۔ مرزاں بیگم کو کہیں اتفاق سے اکلا پا کے، اے بچہ پھوپھی اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو یہ دس دس روپے کے دو

نوٹ میرے پاس ہیں جعفری باجی کو دیا چکے، مگر ان سے نہ کہنے لگا، کہ میں نے دستے ہیں، مرزا می بیگم اختری کی یہ مرقت یہ فیاضی دیکھ کے ذمہ ہو گئیں۔

مرزا می بیگم پھر بڑا خدا جانے کم کو کب ضرورت ہو اُس وقت میرے پاس روپیہ نہ ہو تو تم کو تکلیف ہو گی، مرزا می بیگم کو کیا معلوم تھا کہ اختری کو ایسے بیش روپیہ کے واپس لینے کی ہرگز ضرورت نہ ہو گی۔ اگر اختری کو مرزا می بیگم کے ملاں خیال نہ ہوتا تو شاید وہ اسی وقت کہہ دیتی کہ واپس دیتے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کو خیال تھا کہ مرزا می بیگم کی غیرت شاید اس بار احسان کو قبول نہ کرے، اختری نے دلبی زبان سے کہا نہیں مجھ کو اس کی ابھی ضرورت نہیں ہے جب آپ کے پاس ہونگے دیدیجھے لگا۔ جب آپ جعفری نادری کی پھوپھی ہیں تو آخر نیزی بھی کوئی ہوئیں۔ مرزا می بیگم نے اس قرض حسنہ کو بخوبی منظور کیا، دل سے دعا نکلی۔

مرزا می بیگم کے میاں نواب مرزا مصوّری کا کام کرتے تھے، اگلے مصوروں میں تھے مگر اب عکس گشی پر بسرا ذات تھی، جو یہی سے اختری کی نیک دلی اور فیاضی کا حال سن کے ان کو بھی اس لے پا لک لڑکی کا خیال پیدا ہوا۔ اختری کی رغبت تصویروں کی طرف دیکھ کے انہوں نے بہت سی قلمی اور عکسی تصویریں لائے تھے کی بناء ہوئی اختری کو دکھایا۔ ان تصویروں کو دیکھ کے اختری کے دل میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ اس کے پاس ایک چھوٹی سی عکسی تصویر ماں کی موجود تھی۔ پاں جعفری سے شاید اس نے سن لیا تھا کہ پھوپھا تصویر بناتے ہیں اسی لئے سالہتی آئی تھی۔ بھر صورت اختری کو یہ خیال ضرور آیا تھا کہ شیر مرد کو ماں کی تصویر دکھائیں یا نہ دکھائیں۔ پھر اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا تمام پردہ ستربیے جی کا ہے، وہ تو اب ایسے پردہ میں ہیں کہ تا قیامت ان کو کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ تصویر کا پردہ

ایک بہم خیال ہے۔ ظاہر ہے کہ اختری کوئی مجتہد نہ تھی جو صحیح رائے قائم کر سکتی مارکی محبت نے اس کو سپی فتوی دیا اگر اس سے بہتر موقعہ نہ ملے گا۔ اماں جان کی بڑی سی تصویر قلمی رنگ میں لباس اور زیور کے ساتھ نہ نگی بھراں کی صورت میری آنکھوں کے سامنے رکھئی گی۔ آخر اس نے نواب مرزا سے چکے چکے بات چیت مٹے کی، تصویر نکال کے دی، دھانی سور و پیہ پر فصلہ کیا۔ نواب مرزا اها حب نے دو ہمینہ کی جہالت چاہی۔ اب روپیہ کے پہنچانے کی دقت تھی، اختری نے وعدہ کیا کہ گھر جا کے میں سوا سور و پیہ آپ کو دوں گی۔ اس کے سوا اور بھی میرا ایک کام ہے مگر ابھی اُس کا موقعہ نہیں ہے جائزے کے بعد میں آپ کو پتہ دے کے پہاڑ پہ بھجوں گی اور اماں جان جہاں ورنہ ہیں اُس جگہ کی ایک تصویر آپ سے بناؤں گی

ظاہر ہے کہ ان معاملات سے نواب مرزا کو اختری کی خفیہ مقدرت کا کچھہ حال معلوم ہو گیا ہوگا۔ اس کے بعد میاں بیوی میں جو باتیں ہوئی ہیں یہ ہیں:-

**نواب مرزا۔** (بیوی سے) یہ لڑکی اختری جسکو بھائی خوشید مرزا نے پانے گھرمی رکھا ہے کوئی ایسی دسی لڑکی ہیں معلوم ہوتی۔ اول تو اس کی شکل صورت پر امیرانہ پن ہے دوسرا بھائی خوشید مرزا کے پاس ایسی کہاں دولت پھٹ پڑی ہے کہ وہ لے پاک لڑکی کو سینکڑوں ہزاروں روپیہ خرچ کرنے کو دے سکیں۔

**مرزا آنی بیگم۔** میں نے تصورت دیکھتے ہی کہدیا تھا کہ کوئی بڑے گھر انے کی صاحبزادی ہے۔ خدا جانے بیجا بی پر کیا مصیبت پڑی جو پرانے گھر میں آکے پڑی ہے اور سُنائم نے بی جعفری اس کو اپنے باب کے ٹکڑوں پر پڑا ہوا سمجھوئے کے ہر وقت گورنی رہتی ہیں۔ پچ کھوں مجھکو تو بُرا معاوِم ہوا بلکہ میں نے دو ایک دفعہ بُر کا بھی میرے توجی میں آیا تھا کہدوں کہ ایک تم بھتیجی ہو کہ میں روپے کے لئے ڈولی پر چڑھ کے تقاضے کے لئے دوڑی آئیں۔ تم سے تو یہ غیر لڑکی اپنی کہ بھی کی جان نہ پہچان بیٹھ رہ پیہ کھٹ سے

نکال کے پھینک دیئے مگر کیا کہوں اُس نے قسمیں ایسی دیدی تھیں کہ کسی سے نہ کہنے گا۔  
نواب مرزا۔ تو کیا تم کو اُس نے میں روپے دیدیئے۔

مرزا آئی بیگم۔ یوں سمجھو کہ دے ہی دئے۔ یہ بھی اس کی انسانیت ہے کہ قرض کے  
نام سے دئے پھر قیامت کا وعدہ جب چاہئے گا دیدیجئے گا۔ یہ رد پیہ آپ اپنا ہی سمجھئے  
گویا اشارہ کتا یہ سے یہ کہا کہ کہ ان کے پھیرے کی ضرورت نہ ہوگی، اب کیا میں ایسی بچتہ  
ہوں کہ اپنا بھی نہیں سمجھتی۔

نواب مرزا۔ اور بی جعفری اپنے لگنے پاتے پر کسی اتراتی ہیں۔ آخری کے  
کا نوز میں جو دو آدیزے پڑے تھے دہ بھی تم نے دیکھے۔

مرزا آئی بیگم۔ ہاں قسمیتی ہوں گے۔ اتنا تو میں بھی سمجھو گئی۔

لواپ مرزا۔ جی ڈھائی ہزار سے کم کا جوڑ ہنیں ہے۔ ابھی ان دو نوز  
میں جب میں راجہ صاحب کے تعلقہ پر گیا تھا۔ دو بندے زمرد کے بکنے کو آئے تھے اُس کے  
زمرداں سے ذرا چھوٹے تھے۔ جوہری تین ہزار مانگتا تھا۔ میں نے تو اسی خیال سے آخری  
کے کان سے اُتر دل کے دیکھے۔ جوہری کے بندوں سے بڑے اور زمرداں کے بہت بہت  
میں، اُن کا رنگ ایسا نہ تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ڈھائی ہزار کہے ہیں۔ میرے خیال میں  
تو کوئی آنکھ بند کر کے نیچے تو ڈھائی ہزار چھوٹتے ہی جوہری دیدیگا۔ اور وہ پانچ ہزار کو  
کسی سرکار میں لگادے گا۔ بی جعفری کا سارا لگنا پانچ سو چھوٹے سو سے بڑھ کے نہ ہو گا اسپر  
پنجوں کے بل چلتی ہیں۔ گھر پر تو میں نے بکھی پہنے نہیں دیکھا۔ یہاں ہم کوشان دشکوت  
دکھانے آئی تھیں۔ اسی طرح میں رد پیہ لانگے کہ مجھکو سخت ناگوار ہو الٹکی بڑی ابتری ہے  
اس سے چھوٹی بہن لاکھ درجے اچھی ہے۔ اُس کی صورت پر بھولان پہن ہے۔ آنکھ میں  
سیل ہے۔

مرزا آئی بیگم۔ یہ تو کہو اختری سے تم بھی تو کچھ پچکے پچکے باپس کر رہی تھیں کیا

کہتی ہتی۔

نوابِ مرزا۔ ماں کی عکسی تصویر دی ہے۔ زنگین بڑی تصویر بنوائی ہے اور جارٹے کے بعد پہاڑ پر بھیجے کو کہہ گئی ہے۔ تصویر کا معاملہ دھانی سور و پیہ ٹھرا ہے آدھے روپے پہلے دیئے کہے ہیں۔

مرزا آئی بیکم۔ یہ روپیہ کیس طرح میں گے۔

نوابِ مرزا۔ کہا ہے جس دن آپ وہاں آئے گا۔ چک دوں گی یا نٹ۔  
مرزا آئی بیکم۔ یہ لڑکی ضرور مالدار ہے۔ یہ بھی بھانی صاحب کی خوش قسمتی ہے معلوم ہوتا ہے ماں ہاتھ میں ہاتھ دے گئی ہے۔ آہا ہے لو بات میں بات نکل آئی۔ بھیا کی بھیپ میں کہیں شادی بھٹھری تھی ہونہ ہو دہی سلسلہ ہو۔ یہ خورشید بیکم کی لڑکی نہ ہو تصویر کی پشت پر بھی یہ نام تھا۔

نوابِ مرزا۔ اچھا تو اس سے ہم کو کیا۔ میں تو سچ کہتی ہوں مجھے تو یہ لڑکی بہت ہی اچھی معلوم ہو نی اور مجھے سے جہاں تک ہو سکے گا اس کے کسی کام میں کو تاہی نہ کروں گا۔

مرزا آئی بیکم۔ نہیں صاحب، تم کبھی کبھی جا کے دیکھ آیا کرو۔

نوابِ مرزا۔ یہ میں نے پہلے ہی سمجھہ لیا ہے، خورشید مرزا صاف دل کے آدمی میں یہ جعفری خدا جانے کس پر پڑی ہے، اکل کھڑی جگ سے بُری۔ خورشید مرزا کو میری نسبت کوئی شک نہیں ہو سکتا، وہ مجھ کو خوب جانتے ہیں کہ میں عزیب ہوں مگر کبھی میں نے کسی کے مال پر و انہیں کی نہ کسی کا آجتا دوپیسہ کا شرمند ہوں، ماں اس امیرزادی کی غربت ملسا ری بھولے پن اور دل کی نیاضتی نے میرا دل کھنچ لیا، یہ بھی اس کی نیکی تھی کہ ماں کی تصویر مجھ سے بنوائی، ایسی کیا ضرورت تھی، یہ ایک طور سے احسان کرنا تھا اور اس طرح احسان کا بوجہ ہلکا ہو جائے گا۔ ذھانی سو جس کام کے

## آخری بیگم

لئے دئے ہیں زیادہ سے زیادہ سور و پے کا کام ہے۔ میں نے یوں ہی دل دیکھنے کو ڈھانی سوہنے لئے اُس لے میرے منہ سے نکلتے ہی منتظر کر لئے، پھر میں نے خود گھٹانا چاہا مگر اُس نے اس بہانے سے کہ میں اول درجہ کا کام چاہتی ہوں۔ جیسا روپیہ نیا جائے گا دیسا ہی کام ہو گا۔ تینے سے ہسن میں یہ ریسا نہ خیال پے شک کوئی خاندانی رئیس زادبی ہے۔ اس لڑکی نے اگلے رسیوں کا سادل پایا ہے۔

مرزاںی بیگم پہلے چلنے پا چڑو پیہ بچوں کو سمجھانی کے نام سے دے گئی۔ ایک بات میری سمجھبہ میں آئی ہے یہ لڑکی محبت کی بھوکی ہے۔ یہاں کچھہ اکیلی سی پڑ گئی ہے۔ اُس کا جو چاہتا ہے کہ لوگوں کو اپنا بنالوں یہ بھی تم نے دیکھا آنکھ میں موہنی ہے۔ یہ سکو ایک نظر دیکھ لے گی اپنا گردیدہ بنالے گی۔

اچھا تو اب اُس کی خوشی ہے اُس کی ماں کی تصویر دل لگا کے بنادو۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں کسی تصویر ہے۔ کس کی تصویر ہے۔ تصویر دیکھ کے، کچھہ خواب ساید آتا ہے بے شک خورشید کی تصویر ہے۔ ذرا پھر دیکھوں۔ پھر غور سے دیکھ کے۔ ہاں میاں کو تصویر کا ایک نشان دکھا کے۔ یہ کیا ہے اس طرف گال پر۔  
ذواب مرزا۔ مساحے یا بڑا سائل ہے۔

مرزاںی بیگم۔ ہاں خورشید بیگم، صدر خورشید بیگم۔ میں نے پچھن میں دیکھا۔ جب اماں جان نزدہ تھیں۔ اچھا تو اب مجھ پر سارا حال تکھل گیا۔

ذواب مرزا۔ خدا کے لئے کسی کے آگے نہ لے بیٹھنا، خدا جانے کس مصلحت سے پہ بھید جھپپا یا گیا ہے۔ ہم کیوں ظاہر کریں۔

مرزاںی بیگم۔ کیا مجھے تم نے دیوانہ بنایا ہے، میں ایسی پیٹ کی ملکی ہنس ہوں۔ شاید جھپپا ناہی بہتر نہ کوئی اور دعویدا رہ نہ ہو، شاید ظاہر ہوئے نے میں اس بن ماں باوا کی بھی پر کوئی آفت آجائے، بھلامیں کہوں گی۔ میری زبان سے آدمی بات نکلے تو زبان

کاٹ دانا۔ سب ایک طرف اُس نے مجھکو تمیں دی ہیں کہ ذرا سی بات کسی سے نہ کہنے کا  
اس میں مجھکو نقصان پہنچے گا۔ اگر کہتی بھی تو اب کبھی نہ کھوں گی ہمیں کیا۔ آم کھانے سے  
غرض ہے یا پیڑ بگنے سے، خدا کرے جیتی رہتے اور لفیض اچھا ہو۔

لواب مرزا۔ ہا، یہ نہ کھو، آم کھائے۔ سے بھی غرض نہ ہو تو بھی پیڑ نہ گناہ میں  
کسی کے راز انکشاف گناہ عظیم ہے۔

مرزا آئی بیکم۔ تم تجھ سے خاطر جمع رکھو۔ تو پھر آج آ جاؤ۔ مرزا آئی بیکم کو  
سو اسوار و پیہ ملنے کی جلدی تھی،

لواب مرزا۔ ذرا صبر کرو، آج کھل نہیں۔ اس طرح کہ ابھی کھل دو نوں لگیں  
گئی ہیں، میں جاؤں گا تو لوگ چر چاکریں گے۔

مرزا آئی بیکم۔ ہاں، سچ ہے خصوصاً یہ جعفری آفت کی۔ بنی ہوئی ہے، خدا  
جائے کیا خیال کرے۔

لواب مرزا۔ کوئی کچھ خیال کرے۔ میں آج کے چوتھے دن جمعہ کی نماز سے  
ہو کے جاؤں گا۔

# باپ

## ہرمزی

خورشید ہرز کے مکان کے پچھوارٹے، میر کاظم حسین زردوز کا مکان تھا، کچھ  
یک منزلہ صرف ایک دالان اس کے آگے چھپر سلے منے دیوڑھی باورچی خانہ۔ انگناہی  
بھی بہت بڑی نہ تھی، کچھی چھت پر انا چھتر جو ہوڑھی سی بارش سے ٹیکنے لگتا ہے میر صاحب  
ایسا جوہ زینب بگم اور ایک لڑکی ہرمزی چھوڑ کے استقال کر گئے تھے۔ زینب بگم نے  
سلام کر کے لڑکی کو پروردش کی۔ خلاف دستور لڑکی کو اسکول میں پڑھنے کو بھیجا اس کے  
محلہ والوں نے بڑا چرچہ کیا مگر زینب بگم نے کسی کی نہ سُنی، بن باپ کی لڑکی نہیں سپر وفات  
کوئی سبیل نہ تھی خیال کیا کہ اگر لڑکی بڑھ جاتے گی تو ہمیں اسکول میں پڑھانے پر لذگر  
ہو جائے گی۔ اس کی جوانی اور میرا رندھا اپاکسی نہ کسی طرح کٹ جائے گا۔ عزیز کتبہ  
میں لڑکیوں کی شادی ہوتے دیکھ کے شادی سے اس کا دل بھر گیا تھا۔ یہاں تو پچھے  
دینے کو نہ تھا۔ جو لڑکیاں بھاری جہیز لے کے بیا ہی گئیں ان میں سے کسی ایک کا انجام  
یہ ہوا کہ شوہر صاحب بدوضخت نکلے۔ سارا جہیز چار دن میں بچ کے رندھیوں کو کھلا دیا  
جب کچھہ نہ رہا بیوی کو بھی میکے کا راستہ بتایا خود شہر سے فرار ہو گئے۔ اگر شہر ہی میں  
دہے شہر دی کے ساتھ ہاتھ میں لٹھ لئے خاص کئے مار دیں کی شکل ادھر ادھر پس کی  
آنکھ بچا کے اینڈے نے پھر نے ہی کسی عزیب کو روپیہ بھنا تے دیکھا جا کھڑے ہوئے۔

حفت دہ کل والے پسے تو داد آئی۔ روپیہ بھنالے دا لاحیران کر پسے یہیں جی آپ بھول گئے۔ کل یوسف بیگ کے جو سے پر قرض لئے تھے۔ چار راہ گیر جمع ہو گئے، کسی نے پچ جانا کسی نے بھوٹ، آخر انھیں کے ساتھ والے گروں میں سے ایک نے تھہماں حفت یہ بڑا شہد اہے، کچھہ دے کے جان چھڑائے۔ غرض دس آنے پر فصلہ ہوا کوئی راہ گھنی میں اکیدا مل گیا چادرہ اتر والی۔ کپڑے چھین لئے، کہیں گزرتا رہو گئے تو جیل خانہ آباد کیا، غرض کے شریف بھلے آدمیوں کی اولاد نے یہ شیوے اختیار کئے ہیں ہشت مشت جو یہ پیزار کے قابل، اور کوئی مہتر آتا ہنیں محنت ہو نہیں سکتی، پھر جوانی کی بے اعتدالیوں سے چہلک امراض میں بٹلا، گھٹھیا کا عارضہ لئے اپاچ بھیک مانگنے لگے، اور بھی بہت سے طریقے پیٹ پالنے کے ایسے ہیں جس میں محنت نہ ہو اور صحی سے شام بلکہ آدھی رات تک بارہ آئے۔ روپیہ مل جائے گمراہ ایسے پیشوں کے ذکر سے ہم پر ہیز کرتے ہیں، انھیں بالوں سے لکھنڈ بدنام ہو گیا۔ اب کچھہ دلوں سے اچھی آمدی کا پیشہ اکے ہنکانا خواہ اپناداہی ہو خواہ کسی کی نوکری، اس میں اچھی آمدی نہیں، چڑھے چڑھے پھرے ہیں اکثر اگہ والوں کو گانے کا شوق ہے تو وہ دن رات گا رہے ہیں ان میں سے بعض خوش آواز بھی ہیں، اس کے سوا دیروزی کا کام، بوٹ سازی، بہت پھلتے ہوئے کام ہیں، چکن کا مدائن زردوزی کا واج اب نہیں رہا۔ پھر بھی بڑی مشقت سے صحی سے شام تک چار آنے ملے، اگر چند ڈسک شوق ہے تین آنے کا چند ڈپیا، ایک آنے کی روپیٹ نان بائی کی دو کان پر اکٹھوں کے کھالی، غرض کے شریف گردی کا زمانہ ہے اور یہ سب اپنے ہاتھوں کسی قسم کی تعلیم نہیں تھی تھیت نہیں پھر بنے تو یکوں کر بنے انھیں بھیک مانگنے والوں میں وہ لوگ ہیں جن کے نرگ برس حکومت تھے۔

انھیں خیالات سے زینب بیگم نے رٹکی کی شادری نہیں کی، آپ دہکسی سکول

## آخرتی بیگم

میں دس روز پہیہ ماہرہ پامی تھے یعنی حجی کہلانی تھے، ماں مدت ہوئی آنکھوں نے جواب دیدیا، سوئی کہ ناکہ نہیں سوچتا۔ صنانکے نہیں دکھانی دیتے تو دوسرا نے فارج کے گرنے دونوں پاؤں رہ گئے۔ چار پامی پر اکیلی ٹپی رہتی ہیں۔ پانچ بجے کے قریب۔ میٹی کی ڈولی اسکوں سے آئی، دال پکانی چھاتیاں توے پر ڈالی گئیں۔ ماں تو کھلانی گئی، پھر جب پکا چکی خود بھی کھانا کھایا۔ خدا کا شکر کر کے سورہ پھر صح سے اٹھی نماز پڑھی سویرے سے دال خشکا چھاتیاں تیار کر دیں۔ ماں کو کھلائیں خود کھائیں۔ اتنے میں اسکوں سے ڈولی آئی، ٹھیڑی چلو، ٹھیڑی روائہ ہوئیں پھر وہی پانچ بجے آئیں زینب بیگم اکسلی پڑے پڑے پنگ کے بان توڑا کرنی تھے۔ کیا بُری زندگی ہے مگر شریف خانہ ان سادات عالیٰ نسب شکایت سے لب آشنا نہیں ہر وقت تقویٰ عبادت کی نکر نماز روزہ کا ذکر جو حال ہے بہت خوب ہے نہ اس سے ترقی کی اُمتید ہے نہ خدا کی رحمت سے تنزل کا خون لڑکی کے دم کا سہارا، خدا اس کو جیتا رکھے بلکہ میری زندگی بھی اُسی کو جائے، ہر مری نہ ہوئی تو اب تک خیرات خانہ میں ہوئی یا کسی سڑک پر اکھ سے کھل کے مری ٹپی ہوئی۔ اب آرزو دہنے کے ہاتھوں میری مٹی سوارت ہو جائے۔

ایک دن سر شام آخرتی نادری کے سامنے کوئی پرچڑھی۔ ایک طرف مونکھی اتحا اس میں سے سر زکمال کے نادری نے کسی کو سلام کیا، کسی نے دعا دی جیتی رہ مو۔ نادری نے پوچھا ہر مری تو اچھی ہیں جواب ملا ہاں اچھی ہے۔ نادری۔ کہاں ہیں؟ جواب۔ اسکوں گئی ہیں۔ کب آئیں گی؟ جواب۔ دی چار بجے کے بعد۔ اب آخرتی کو استیاق ہوا۔ نادری سے کہا، بہن میں بھی دیکھوں کس سے باتیں کرتی ہو۔ نادری نے زینب بیگم سے بطور خود تعارف کیا۔ اس طرح ایک ایک ہماری بہن ہیں دبھی آپ کو تسلیم کرتی ہیں۔

زینب بیگم کیا جعفری کے سوا کوئی اور بہن ہیں۔ یہ کون سی بہن ہیں۔  
نادری۔ یہ اپنا جان کے رشتہ کی کوئی بہن تھیں ان کی بیٹی ہیں۔ اب ہمارے  
ہی ساتھ رہتی ہیں۔

آخر اختری بیگم نے منکھے سے منہ ڈال کے زینب بیگم سے خود بات چیت  
کی۔ اتنے میں ہر مرزا بھی آگئیں۔ اختری سے فوری جان پہنچان ہو گئی۔  
اختری۔ رہ مرزا سے، بہن ہمارے گھر میں آؤ گی۔

اس بلانے میں فی الجملہ تفوق پایا جاتا تھا غریب آدمی جن میں غیرت کا مادہ  
ہوتا ہے ذرا اندازگ مرزا ج ہوتے ہیں۔ ہر مرزا نے جواب دیا جو ہمارے گھر میں آتا و  
ہم بھی اس کے گھر میں جاتے ہیں۔ یوں آپ ہی آپ کسی کے گھر پر دور کے جانا پنی نہ ت  
اور دوسرا کو تکلیف دینا ہے۔

اگر کوئی ادر ہوتا تو شاید اس ٹکر اساتھ کے ہاتھ پر کھدیئے سے ٹرا مان جانا  
اور پھر کبھی ان لڑکیوں میں میں جول نہ ہوتا۔ اختری بات کا پہلو سمجھہ کئی۔ نہایت عاجز نہ  
ہجھ میں جواب دیا۔

اختری۔ تو کیا بہن ہم کو تمہارے گھر پر آئے میں کوئی عذر ہے۔ میں مرنگوں  
سے آؤ گی اچھا تو جب میں پہلے آؤ گی پھر تو آؤ گی۔

اختری محبت کی بھوکی تھی وہ سمجھہ گئی کہ ان عزیزوں سے میری اچھی نہیں گی۔

ہر مرزا۔ کیوں نہیں، ہر مرزا کو ایسے جواب کی توقع نہ تھی، وہ اپنے غریب کسی  
کو دکھانا پسند نہیں کرتی تھی۔ اسی لئے اس نے ایسا جواب دیدیا تھا جس میں یہ آمد و  
رفت کا سلسلہ کبھی نہ جا رہی ہو۔ اور اب بھی اس کو اس کی بہت کم توقع تھی۔ وہ  
بعفری کو جانتی تھی کہ اس کو اپنے باپ کی دولت کا بڑا گھنڈ ہے۔ اگرچہ وہ اس کے  
ساتھ کھلی کھلی ہوئی اور شاید کچھ دنوں ایک ہی اُستادی سے پڑھا بھی تھا۔ یہ جب کا

ذکر ہے جب وہ اسکول میں نہیں داخل ہوئی تھی، ہر مرزا کے اسکول میں داخل ہونے کے بعد آمد و رفت کا سلسلہ بند ہو گیا تھا نہ اس نے کہ خورشید مرزا اور لوگوں کی طرح ہر مرزا کے اسکول میں بھیجنے کے خلاف تھے بلکہ کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی مگر ہر مرزا کے عالی حلقوں سے بہت خوش تھے۔ اس کے استھانوں میں کامیاب ہونے انتظام پانے میں پاس کرے نہ کر ہو جانے کا حال معادم تھا، میں اس زمانہ میں چھوڑ کے فضیلت کا درجہ مانا گیا تھا۔ لڑکیوں کا ذکر، محدث کے مسلمان رٹکوں میں سے دو سی ایک اس درجہ تک بھی پہنچنے تھے باقی سب ابتدائی تعلیم کے بعد اسکوں چھوڑ کے آوارہ پھر لے لے گئے تھے۔ اس لڑکی کا میں پاس کرنے ایک تعجب کی بات تھی۔ خورشید مرزا ہر مرزا کو کوئی چیز سمجھتے تھے مگر صرف دُثُر روپیہ کی لذکری سے جو کہ ان کے نزدیک ایسی پڑھی لکھی لڑکی کے لئے بہت ہی کم تھے۔ ان کی نظر میں سوانح تعلیم کی وقعت کم ہو گئی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے خصوصاً اپنی رٹکدوں کو سنائے۔

خورشید مرزا۔ ہر مرزا بڑی لائق تھا۔ اس نے اپنی ماں کو خوب سنپھال لیا۔ اگر یہ لڑکی نہ ہوئی تو زینب بیکم، بیچاری فی کوں جنگری کردا۔ مشکل یہ ہے کہ وہ کسی کا احسان بھی تو نہیں اٹھانا چاہتی۔ یہ شرافت ہے، تیسرا فاقہ ہو تو بھی کسی کے آگے با تھر نہ پھیلا میں۔ کیا کہتا سیدانیاں ایسی ہی ہوئی ہیں۔

خورشید مرزا کی دونوں رٹکدوں کو یہ ہنسنے لکھنے کا شوق نہ تھا خصوصاً جعفری تو صرف روپیہ کی راچھی تھی، جمڑی جائے درڑسی نہ جائے، اگرچہ جنری بلکہ خست عورت کی صفت ہے تو اس صفت میں جعفری بے مشکل تھی۔

خورشید مرزا ہر مرزا سے میں بول پسند کرتے تھے بلکہ جعفری نے جو محمد کے کم طرف کمیوں چھوٹے درجہ کی رٹکدوں سے ملنا شروع کیا تھا۔ خورشید مرزا کو از جد ناگوار تھا۔ جعفری نے اس نے ان رٹکدوں سے میں کیا تھا کہ سو دا سلف ان کے ذریعہ

سے ہوتا تھا، نظرن، ال بخش کنجڑے کی لڑکی سے ترکاری بہت سستی طبی ہے۔ نفعین قلعی گر کی لڑکی دوپسہ پر چھوٹی طیلی اپنے باب سے قلّتی کر لائی، کرہین منہار کی رڑکی عید کے دن وہ جوڑا پنھا گئی جواہر، چوری والیاں چار آنے سے کم کوہ دیتیں۔ غسلک اسی قسم کے ذیل خیالات، سے ان چھوکریوں کو لگا رکھا تھا، ایک فائدہ اُن سے یہ تھا کہ ماما اصلیوں کی چوبیاں یہ لڑکی خوب کھولتی تھیں۔ کھڑکی میں پُوا حشرت نے ایک آن کر لیا۔ کرہین سے معلوم ہوا وہ پساری سے عاکے پوچھا آئی۔ اختری کی طبیعت ایسے کمینی صحبت میں کیا لگتی۔ وہ ایسی لڑکیوں کو دوچار آنے انعام کے طریقے سے دیدینے کو بُرا نہیں سمجھتی تھی مگر یہ کہ وہ خاص گرے میں اس کی سہری کے پاس جا۔ کے بھیں اور کھل مل کے باتیں ہوں۔ ہنسی مذاق ہو۔ دھول بیجے گانا ہو یہ سب اس کے مزاج کے خلاف تھا۔ المختصر ہر مرزا کو اپنی طبیعت کے موافق پا کے فوراً بیل ہو گیا، زیادہ تر انکو زینب بیگم کی تہنیا پر ترس آتا تھا، خورشید مرزا کی اجازت عام ہو چکی تھی۔ یہ اکثر کھانا کھا کے نہیں چلی جاتی اور دن دن بھر رہتی، زینب بیگم کے دل سے دھانکلتی تھی۔ اختری اکثر سلوک بھی کرتی رہی مگر اس خوبصورتی سے کہ غیرت دار آدمی کو ناگوار نہ ہو۔ اختری کے حماستی رفتہ رفتہ ترقی کرتے جاتے تھے۔ جعفری کو یہ بھی شاق تھا۔

---

# بائیک

آخرتی کاران خورشید مرزا، حکیم جعفر علی، نواب مرزا معمور اور اُن کی بیوی، ائمہ لرگوں پر کھلا ہوا تھا کم و بیش ان میں سے ہر شخص کو آخرتی کی مقدرت کا حال معلوم تھا، اگرچہ صحیح اندازہ کسی کو نہ تھا۔ ان کے سواد داد شخص تھے جن کو صرف اُنا معلوم تھا کہ خورشید مرزا کسی نہ کسی طرح سے زرکشیر رتصوف رکھنے میں ان میں سے کسی کو یہ بھی نہیں بتایا گیا تھا۔ ایک شیخ احمد علی مختار عام خورشید مرزا صاحب کے یہ بڑے دیانت دار کارگزار شخص تھے، لیکن اب مدت سے صاحب فراش نہتے اور جانپری کی کوئی امید نہ تھی۔ اُن کا بھتیجا مراد علی، اب چھاپ کا فائم مقام تھا، یہ بڑا چالاک تھا مگر کام میں بہت ہوشیار تھا۔ قانون راجح وقت سے بھی اچھی طرح دافق تھا۔ مقدمہ تصنیف کرنا اُس کے بایس ہاتھ کا کرت پڑتا تھا۔ یہ ہر وقت اُسی ادھر پن میں رہا کرتا تھا کہ مقدمہ ایسا ملے جس میں جعل کی ضرورت ہو جو نیڈ دستا دیزیں بنارکھی ہیں، خلاف واقعی شہادت بہم پہنچانی جائے جھوٹے گواہ بنائے، ان ناجائز کارروائیوں کو یہ بڑی دانستہ رہی اور قابلیت خیال کرتا تھا۔ جب سے یہ اس سرکار میں داخل ہوا تھا اُس نے بعض مقدمات میں اسی کامیابی حاصل کی تھی کہ خورشید مرزا کو اس کی ذات پر پورا بھروسہ ہو گیا تھا اور شیخ احمد علی کی تدبیت کے خیان نے بھی اُن کو اس کا بہت خیال، قاؤنیاں اب یہی مختار عام تھا۔ یہ دن رات اسی فکر میں رہتا تھا کہ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ نواب صاحب کی کل جامداد مکانات دو کافیں ایک

موضع میں چھٹے کے بکا حصہ باغ پر ایسی نوٹ ان سب سے داقف تھا، اگرچہ جادو اور قرضہ کا بار عظیم بھاری سود پر نہ ہوتا تو سارے ہیں سور و پے کی آمدی تھی مگر سود کے میں نصف سے زیادہ منافع جاتا تھا، اس لیے خرچ کی تنگی تھی، مگر دستاویزوں کے برابر اعلیٰ سے جو روپیہ ملتا رہتا تھا اُسی پر نزاکی کے ٹھاٹھے اس میں مرآۃ علی کا نفع تھا اُسکو ہر دستاویز کے پلٹے پر خاطر خواہ کمیشن ملتا رہتا تھا۔ مالک کو نقصان پہنچا کے اور ہمہ جنوں کا نفع کرادیتے ہیں سے بھی خفیہ رقمیں بطور رشتہ مل جایا کرتی تھیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ اُس نے اپنی ظاہری چال سے نواب صاحب کے دل پر اپنی ایمانداری کا نقش بھاگ کھاتا۔ نواب صاحب کا پورا صزادجدان تھا، ہر معاملہ میں دخیل تھا، یہاں تک کھر کا انتظام بھی اُس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ خرید و فروخت اسی کی صرفت ہوتی تھی، بزار سے لے کے کنجڑے و قصاب تک سے اسی کے ہاتھوں سودا سلف ہوتا تھا اس میں انہما کی خیر خواہی اور کفارت شعاری دکھاتا تھا۔ پسیہ پسیہ کا حساب نہایت سختی سے لیتا تھا۔ کمیشن تک جو ملتا تھا سرکار میں داخل کر دیتا تھا، پھر چاہتے نواب صاحب اُس سے دو چند سہ چند سلوک کر دیں اور ایسا ہی ہوتا تھا غرض کہ اپنی چالاکی سے اُس نے نواب صاحب کو شدید میں اُتار لیا تھا۔ حکیم جعفر علی کی نسبت نادری سے قرار پا چکی تھی۔ وہ نواب صاحب کے داماد ہوئے دال کئے وہ اس کی چالاکیوں سے کچھ بھی کچھ واقف تھے۔ نواب صاحب کے کھر میں ہمیں معلوم کس وجہ سے نادری کو اُس کے نام سے لفڑت تھی۔ اُس نے اختری کو بھی کسی حد تک اُس سے بدگمان کر دیا تھا مگر یہ بدگمانی کسی وجہ معقول سے نہ تھی مثلاً نادری کہتی تھی اختری سے میں کیا کہوں مجھے تو اس موئے کی آواز سے ڈر لگتا ہے۔ اختری، آخڑ کیوں؟ نادری خدا جانے دیکھو تو چال کس طرح چلتا ہے۔ ذپ رپ جیسے بہ قندار۔ نادری، اس مردے کی شکل پر خرانٹ پن برستا ہے۔

ناظرین ہم ہیں کہہ سکتے کہ نادری کی نفرت کا کیا سبب تھا سو اس کے کہ نیک طبیعتیں دلوں کا آئیں ہوتی ہیں، نیک باطن بد باطنوں سے اور ایماندار بے ایمانوں سے اور ایماندار بے ایمانوں سے قدر تائکھنگئے ہیں۔ مگر ان گھر کی بیٹھنے والی لڑکیوں کو اس مختار سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لئے کہ یہ دل کی نیک قیمت، جعفری اُس کی لیاقت کی قابل تھی وہ جُز رسی اُس کی ایسی صفت تھی جس سے جعفری اُس سے خوش تھیں۔

شیخ احمد علی مختار کے ایک اور بھائی تھے، شیخ محمد علی، وہ خور غدیر مرزا کے گاؤں پر نعمدار تھے۔ یہ لڑکا انھیں کا تھا، سات آٹھ برس کا تھا جب باپ نے انتقال کیا، ماں پہلے مر جکی تھی اُسی سن سے چھا اپنے ساٹھ لکھنؤ میں لے آئے تھے اُسی زمانہ سے یہ لواب صاحب کے محل میں آتا جاتا تھا اگو یا اسی گھر کے ٹکڑوں پر پروش ہوئی تھی اس لئے اس سے کچھہ ایسا گھر اپر دہ بھی نہ تھا۔

دیستے ہیں ٹکڑے کی طرح صاف جواب

لے ظفر کھا کے پہلے جو مرے گھر کے ٹکڑے

یہ تو اس کی کیا حجایا تھی کہ ٹکڑے کی طرح توڑ کے جواب دیتا مگر نیک حرمی میں کوئی شک ہنسیں جس کا حال ناظرین پر گھلتا جائے گا، نادری تو اسکی صورت سے جلسی تھی بلکہ ڈر فی تھی۔ البتہ جعفری بیکم صاحب کا ڈار فیوں تھا۔

## پاٹ

نادری کی سالگرہ ماہ ربیع کی سترہویں کو ہوئے والی تھی آج ربیع کی نویں تھی، نادری اور اختری میں صلاح ہوئی کہ حلوبہن پھوپھی کے گھر علیس، بہت دن بھوئے بڑھن ممنون کو بھی نہیں دیکھا ہے گرہ بھی وہی لگائی ہیں چلوان کو کہتے ہیں گے، دو دن پہلے سے چلے آئیں گے، جعفری کو یہ ہماندار یاں ناگوار تھیں۔ جب سے اختری گھر میں آئی اور جعفری نے اُس سے بُرخی کی بھتی برخلاف اس کے نادری نے اُس کی بڑی خاطرداری کی۔ یہاں تک کہ دونوں میں سکی بہنوں سے زیادہ محبت ہو گئی تھی۔ خورشید مرزا کو اختری کا بڑا خیال تھا۔ نادری اُس سے محبت کرتی تھی اس لئے وہ نادری سے بہت خوش تھے اور جتنا نادری سے خوش تھے اتنا ہی تھے جعفری سے ناخوش تھے، اس ناراضی کی کسر بے گناہ اختری سے لی جاتی تھی مگر اختری کو اس کی زیادہ پرواہ نہ تھی، ہاں اس کو رنج فزور تھا۔ وہ جعفری کی چھپھوری باتوں کا بے پردازی سے کچھ جواب نہ دیتی تھی۔ اگر اختری سے بنائے رکھتی توجعفری بہت خوش رہتی مگر اُس کی تقدیر میں ہدیثہ جھینکنا پہنچانا اور خواہ مخواہ جلنکری کی تھا وہ اختری کے تھے پہنچتی۔ اور طرح طریق سے رنج پہنچاتی تھی، مگر یہ اختری کا طرف تھا کہ اُس نے کبھی خورشید مرزا سے اس کی فضایت نہیں کی، ہر ایسا کو برداشت کر لیا مونہ سے اُنہیں کی۔

سالگرہ کے دن نادری چاہتی تھی کہ نیا جوڑا پہنچوں اُس نے پہلے اپنی بیٹی خاہش